رسائل و مسائل

سورۂ بقرہ کی آیت ۲۴۳ کی تشریح

سید ابوالاعلیٰ مودودی

سوال: - سورۂ بقرہ کی آیت ۲۴۳ - اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَهُمْ اُلُوْفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ - کی تشریح کرتے ہوئے آپ نے حاشیہ ۲۶۶ تحریر فرمایا ہے کہ اس میں بنی اسرائیل کے اس خروج کی طرف اشارہ ہے جس کے بعد انہوں نے فلسطین میں جہاد لڑنے سے انکار کر دیا - اللہ تعالیٰ نے ان کو صحرائے سینا میں نظر بند کر دیا - ان کے مرنے کے بعد اُن کی نئی نسل جوان ہوئی انہوں نے حضرت یوشع کی قیادت میں فلسطین کو فتح کیا - یہ واقعہ تو اپنی جگہ صحیح ہے لیکن آیت زیر بحث کا انطباق اس واقعہ پر نہیں ہو سکتا - کیونکہ اس آیت میں خوفِ موت کو علتِ خروج قرار دیا ہے - لیکن مصر سے بنی اسرائیل کی خروج کی علت خوفِ موت نہ تھی بلکہ موسیٰ علیہ السلام کو خدا کا حکم تھا - وَاِذْ اَوْحَيْنَا اِلٰى مُوْسٰى اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِيْ - دوسری بات یہ کہ آیت زیر بحث میں خروج کو قابل مذمت قرار دیا گیا ہے - لیکن مصر سے خروج قابلِ مذمت نہ تھا - بلکہ ہجرت تھی - تیسری بات یہ کہ - فقال لهم الله موتوا ثم احياهم کے الفاظ کا متبادر مفہوم یہی ہے کہ جن لوگوں پر موت طاری کر دی گئی انہی کو پھر زندہ کر دیا گیا - میں نے تفاسیر کا مطالعہ کیا، کہیں بھی آپ والی بات نہیں ملی - بلکہ بنی اسرائیل کے ایک گروہ کی طرف اشارہ بتاتے ہیں - اور لکھتے ہیں کہ طاعون کے خوف سے بھاگتے ہوئے نکلے - راستہ میں اُن کو موت دی گئی - پھر انہی کو زندہ اٹھایا گیا - مہربانی فرما کر اس اشکال کو حل فرمائیں -

جواب:- سورہ بقرہ کی جس آیت کی تشریح پر آپ نے اشکال کا ذکر کیا ہے اس کے الفاظ بجائے خود اسی تشریح کے مقتضی ہیں۔ اور مزید برآں آگے کا سلسلۂ کلام بھی اسی کا تقاضا کرتا ہے۔ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ اور حَذَرَ الْمَوْتِ کے درمیان وَهُمْ اُلُوْفٌ پر غور فرمایئے۔ اگر گھروں سے نکلنے کا سبب طاعون یا کسی وبا سے مرجانے کا خوف ہوتا تو یہاں وَهُمْ اُلُوْفٌ کہنا بے معنی ہوتا۔ کیونکہ ایسی موت کا خوف دس بیس آدمیوں کو بھی ہو سکتا ہے اور سینکڑوں آدمیوں کو بھی۔ اور یہ ایسی چیز نہیں ہے جس پر عبرت دلانے کے لیے ان لوگوں کو ہلاک کر دینے کا ذکر کوئی اہمیت رکھتا ہو۔ وَهُمْ اُلُوْفٌ کے الفاظ اس جملے میں صاف طور پر یہ بات ظاہر کرتے ہیں کہ وہ ہزاروں کی تعداد میں ہونے کے باوجود موت کے خوف سے بھاگ نکلے۔ اُلُوْفٌ کا لفظ دس ہزار سے زیادہ کے لیے بولا جاتا ہے۔ اس لیے بہت زیادہ تعداد میں ہونے کے باوجود ان کا بھاگ نکلنا اسی صورت میں قابل مذمت ہو سکتا ہے جب کہ وہ کسی دشمن کے مقابلے سے اس بزدلی کی بنا پر بھاگے ہوں کہ جان انہیں بڑی پیاری تھی اور موت سے وہ ڈرتے تھے۔ اس کے بعد یہ ارشاد کہ فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوْتُوْا ثُمَّ اَحْيَاهُمْ، لازمی طور پر یہی معنی نہیں رکھتا کہ جن لوگوں کے حق میں ہلاکت کا فیصلہ کیا گیا ہو، وہی پھر زندہ کر دیے گئے ہوں۔ ایک قوم کے معاملے میں جب یہ بات کہی جائے گی تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ان میں سے خوفِ موت رکھنے والوں کو اسی موت کا مزہ چکھا دیا جائے جس سے وہ ڈرتے تھے۔ اور اسی قوم کے دوسرے افراد کو وہ زندگی بخش دی جائے جس سے وہ موت سے بے خوف ہو کر غنیم کا مقابلہ کریں۔ آگے کی آیت وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ، الآیۃ۔ اس مقصودِ کلام کو واضح کر دیتی ہے کہ مسلمانوں کو یہ واقعہ سنا کر راہ خدا میں لڑنے کی ہمت دلائی جائے۔ اس سلسلۂ کلام میں طاعون یا کسی وبا سے مرنے کے خوف کا آخر کیا محل ہے۔

رہی یہ بات کہ بنی اسرائیل کے مصر سے خروج کا اصل سبب خوفِ موت نہیں، بلکہ حکمِ ہجرت تھا، تو اس کے بارے میں یہ امر غور طلب ہے کہ مصر میں کثیر التعداد ہونے کے باوجود ان کو لڑ کر اپنی جان و مال بچانے کا حکم دینے کے بجائے ہجرت کا حکم کیوں دیا گیا؟ اس کی وجہ ظاہر ہے یہی تھی کہ وہ فرعون اور آلِ فرعون سے اس قدر خوفزدہ تھے کہ بدترین مظالم سہ رہے تھے اور اُف نہ کرتے تھے، بلکہ حضرت موسیٰ سے وہ الٹی شکایتیں کر رہے تھے کہ آپ کے آنے سے تو ہم اور مصیبت میں پڑ گئے ہیں۔

تفہیم القرآن میں لفظ "تسویل" کے مختلف معانی

سید ابوالاعلیٰ مودودی

سوال:۔ تفہیم القرآن کے دو مقامات پیش نظر ہیں:۔

۱۔ سورۂ یوسف کی دو آیتیں یعنی ۱۸ اور ۸۳: قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ أَنفُسُكُمْ أَمْرًا فَصَبْرٌ جَمِيلٌ۔

آنجناب نے دونوں مقامات پہ یہ ترجمہ کیا ہے:

"یہ سن کر ان کے باپ نے کہا: بلکہ تمہارے نفس نے تمہارے لیے ایک بڑے کام کو آسان بنا دیا۔ اچھا صبر کروں گا اور بخوبی کروں گا۔"

باپ نے یہ داستان سن کر کہا: "دراصل تمہارے نفس نے تمہارے لیے ایک اور بڑی بات کو سہل بنا دیا ہے۔ اچھا، اس پر بھی صبر کروں گا اور بخوبی کروں گا۔"

۲۔ سورۂ طٰہٰ کی آیت ۹۶: وکذالک سولت لی نفسی!

اس کا ترجمہ یوں کیا ہے:

"میرے نفس نے مجھے کچھ ایسا ہی سجھایا ہے۔"

یہاں بھی وہی "سولت" ہے لیکن ترجمہ مختلف ہے۔ حالانکہ دونوں جگہ اس فعل کا فاعل "النفس" یا اس کا واحد "نفس" ہے۔ تسویل تسہیل کے معنوں میں تو نہیں آتا۔ آنجناب کی تصریح کا خواستگار اور منتظر ہوں۔

جواب:۔ سورۂ یوسف کی آیات ۱۸ اور ۸۳ میں سَوَّلَت کا جو مفہوم میں نے بیان کیا ہے وہی علامہ زمخشری نے اپنی تفسیر کشاف میں بیان کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

سَوَّلَت (سهلت من السَّوَلِ وهو الاسترخاء) لَكُمْ أَنفُسُكُمْ أَمْرًا (عظيماً ارتكبتموه من يوسف وهَوَّنَتْه في أعينكم)

(سَوَّلَت کے معنی سہّلت کے ہیں یعنی آسان کر دیا (اس کا مادہ سَوَل ہے، یعنی نرم ہو جانا،

جھک جانا، تمہارے نفوس نے تمہارے لیے اس بھاری کام کو جس کا ارتکاب تم نے یوسف کے معاملے میں کیا اور تمہاری نگاہوں میں اُسے معمولی چیز بنا دیا]۔

بخلاف اس کے سورۂ طٰہٰ کی آیت ۹۶ میں سوّلت کا وہ مفہوم موقع و محل سے مناسبت نہیں رکھتا، جو سورۂ یوسف کے ترجمے میں اختیار کیا گیا ہے، کیونکہ یہاں سامری اپنی صفائی پیش کر رہا ہے۔ اس لیے یہاں میں نے تسویل کو تحسین کے معنی میں لیا ہے۔ اور اس کی گنجائش بھی لغت میں موجود ہے۔

التسویل، تحسین الشئ وتزیینہ الی الانسان لیفعلہ او یقولہ

(تسویل کے معنی یہ ہیں کہ کسی شے کو انسان کے لیے خوشنما اور مزیّن بنا دیا جائے تاکہ وہ اسے کرے یا کہے)

گویا سامری یہ کہہ رہا ہے کہ "میرے نفس نے یہی کچھ میرے سامنے ایک اچھے کام کی حیثیت سے پیش کیا"۔

اسی مفہوم کو میں نے سمجھانے کے لفظ سے ادا کیا ہے۔ اُردو زبان میں ایسے مواقع پر سمجھانا قریب قریب اسی معنی میں استعمال ہوتا ہے، جس میں تسویل کا لفظ عربی زبان میں استعمال کیا جاتا ہے۔ شاہ عبدالقادر صاحب نے اس آیت کا ترجمہ کیا ہے: "یہی مصلحت دی مجھ کو میرے جی نے"۔

امام راغب نے بھی اپنی مفردات القرآن میں تسویل کے معنی تزیین و تحسین بیان کیے ہیں وہ لکھتے ہیں:

التسویل، تزیین النفس لما تحاول علیہ وتصویر القبیح منہ بصورۃ الحسن۔

(تسویل سے مراد یہ ہے کہ انسان کا نفس اپنی انگیخت کو اس کے لیے مزیّن کر دے اور برائی کو اس کے لیے خوبصورت بنا کر پیش کرے)

قاموس میں ہے: سوّلت لہ نفسہ کذا: زیّنت والاسول من فی اسفلہ استرخاء۔

لین LANE نے اپنی لغت مدّ القاموس میں سوّل کے معنی درج کیے ہیں:

MADE IT APPEAR EASY TO HIM

(اس بات کو اس کے لیے آسان بنا دیا)